حافظ محمود خان شیرانی بطور محقق

محمد طارق
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
گورنمنٹ ایم۔اے۔او کالج، لاہور

HAFIZ MAHMOOD SHIRANI AS A RESEARCHER

Muhammad Tariq
Assistant Professor of Urdu
Govt. M.A.O. College, Lahore

Abstract

Hafiz Mahmood Khan Shirani is the pioneer of modern research in Urdu language and literature. He travelled to England for higher studies where he got a chance to work with a company dealing with manuscripts of Oriental languages. His stay in England and work at this company introduced him to modern research methodology. His hard work and profound knowledge in the field of manuscript won him international fame. This article is a study of Shirani's literary contribution especially in modern Urdu research.

Keywords
حافظ محمود خاں شیرانی، رشید حسن خان، اورینٹل کالج، انگریزی، فارسی، انگلستان

اُردو میں ادبی تحقیق کی روایت اور تاریخ میں حافظ محمود خان شیرانی کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رشید حسن خان انھیں اردو میں تحقیق کا معلم اول مانتے ہیں۔ بقول رشید حسن خان ان کی تحریروں کو پڑھ کر ہم لوگوں نے تحقیق کے آداب سیکھے ہیں۔(۱) اورینٹل کالج، لاہور سے منشی فاضل کا امتحان اعلیٰ درجہ میں پاس کر لینے کے بعد عجیب اتفاق ہوا کہ جدید اور انگریزی تعلیم سے محروم حافظ صاحب بیرسٹری کرنے انگلستان چل پڑے۔ ہوا یہ کہ ۱۰-۱۹۰۹ میں ''آؤزلے سکالرشپ''(Ouseley`s Scholarship) کے لیے ایک مقابلے کا امتحان لندن یونیورسٹی کے تحت منعقد کیا گیا۔ خوش قسمتی سے یہ امتحان فارسی زبان کا تھا۔ حافظ شیرانی اس امتحان میں اول آنے کی بنا پر وظیفے کے حق دار ٹھہرائے گئے۔ اس بات کا حوالہ حافظ شیرانی نے اورینٹل کالج میں دی گئی درخواست میں بھی کیا تھا۔ اس وظیفے سے انھوں نے ایک سال تک پروفیسر آرنلڈ کی نگرانی میں عربی زبان و ادب کا مطالعہ کیا۔ اس وقت تک لوزک اینڈ کمپنی پر عتیقیات کے کاروبار میں حافظ شیرانی کی قابلیت کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔

حافظ شیرانی انگریزی زبان پر دسترس حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ قانون کی ڈگری کے حصول کی طرف بھی جدوجہد کرنے لگے۔ ابھی تعلیم مکمل بھی نہ کر پائے تھے کہ والد انتقال کر گئے، جس کے نتیجے میں بھائیوں کے آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے ان کے لیے رقم کی فراہمی بند ہو کر رہ گئی۔ اس مشکل وقت میں سر ٹامس آرنلڈ نے ان کے علمی امور میں معاونت کے سلسلے میں وظیفے کا بندوبست کر دیا لیکن یہ رقم کم تھی۔ اس لیے لندن کے ایک علمی ادارے (لوزک کمپنی) کے لیے نادر مشرقی کتب جمع کرنے پر ان کو کمیشن ملنے لگا جس سے ان کی مالی مشکلات کم ہوئیں اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شیرانی خود اس ادارے کے حصے دار بن گئے۔ ملاحظہ فرمائیں اس سلسلے میں مالک رام کی یہ رائے:

> ''شیرانی فارسی کے فاضل تو تھے ہی لیکن جو وقت انھوں نے انگلستان میں آرنلڈ اور لوزک کے ساتھ گزارا، اس نے انھیں فاضلِ یگانہ بنا دیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب ان کی علمی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی تکمیل ہوئی جس سے گویا ان کی آئندہ زندگی کا رخ مقرر ہو گیا۔ کاروبار کے لیے ضرورت تھی کہ جو کتاب انھیں دستیاب ہو، وہ اس کی علمی حیثیت، اس کے زمانہ ء تالیف و کتابت، مصنف کے حالات وغیرہ سے متعلق پوری معلومات بہم پہنچائیں۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے انھیں کتنا وسیع مطالعہ کرنا پڑا ہوگا۔''(۲)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ محمود شیرانی نے انگلستانی ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا۔ یہ ماحول معاشرتی سے زیادہ تحقیقی تھا۔ تحقیق کی دنیا میں گم حافظ محمود شیرانی کو نادر و نایاب نمونوں کی تلاش رہتی تا کہ لوزک کمپنی کا کاروبار بھی چلتا رہے اور علمی اور تحقیقی مہارت بھی شامل حال رہے۔ ''لوزک کمپنی'' میں اپنی

ملازمت کے دوران حافظ محمود شیرانی نے نہ صرف فارسی ادب بلکہ اسلامی ممالک کی تاریخ میں بھی دستگاہ حاصل کی۔ خطاطی، مصوری، نقاشی جیسے ثانوی موضوعات پر بھی حافظ شیرانی کی گرفت بڑی مضبوط ہوگئی۔ ڈاکٹر مالک رام اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

> ''۔۔۔ان کی بصیرت اور ژرف نگاہی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات وہ قلمی کتاب دیکھ کر بتادیتے تھے کہ اس کا کاغذ کس زمانے کا ہے، عہد کون سا ہے، کاتب کس مدرسہء کتابت کا فرد ہے اور بیش تر کاتب کا نام تک بتادیتے تھے۔'' (۳)

حافظ محمود خان شیرانی کے مزاج میں تحقیق و تدوین شامل تھی۔ ایک محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ سچائی کو سامنے لانے سے گریز نہ کرے اور حالات چاہے کیسے بھی ہوں، اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کرتے ہوئے نہ ڈرے۔ حافظ شیرانی اس لحاظ سے بھی خوش قسمت تھے کہ وہ جب انگلستان گئے تو تحقیق کا مشرقی مزاج اپنے ساتھ لے کر گئے تھے اور انگلستان میں انھیں مغربی مزاج تحقیق سے بھی روشناس ہونے کا بھرپور موقع ملا۔ اس سے ان کی تحقیق میں مغربی اندازِ تحقیق اور چیزوں کو سائنٹفک انداز سے پرکھنے کا طریقہ آ گیا جس سے آگے چل کر حافظ شیرانی نے بہت استفادہ کیا۔ حافظ شیرانی کی محققانہ بصیرت کا اندازہ اویس احمد ادیب کے بیان کردہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے:

> ''قیام انگلستان کے زمانہ میں انھیں ایک انگریز ڈاکٹر ہنری اسٹب کی ایک ایسی کتاب مل گئی جو اس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھی اور نہ انگریزی پریس اس کو شائع کرنے کو تیار تھا کیوں کہ اس کی اشاعت سے عوام پر برے اثرات مرتب ہونے کا خیال تھا، وہ برے اثرات یہ تھے کہ لوگوں کو اسلام کے محاسن معلوم ہوجاتے اور عیسائیت کے عیوب ظاہر ہوجاتے۔ مولانا محمود شیرانی نے اس کتاب کی افادیت کا اندازہ لگا کر اس کو شائع کرنا چاہا مگر اپنے آپ کو اس کے اخراجات کا کفیل نہ پا کر انھوں نے نہ صرف انگلستان میں چندہ جمع کیا بلکہ مصر اور ترکی سے بھی چندے کی اپیل کی۔'' (۴)

ڈاکٹر ہنری اسٹب (Dr.Henry Stubbe 1631-1676) کی کتاب ''احوال طلوع وعروجِ اسلام مع حیاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم''

An Account of The Rise and Progress of Mahometanism with the life of Mahomet

شائع ہونے پر انگلستان میں ہلچل مچ گئی۔ لوزک اینڈ کمپنی نے اس کتاب کو ۱۹۱۱ء میں شائع کیا۔ بعض اخبارات نے شیرانی کو جھوٹا لکھا کہ ہنری اسٹب تو کوئی شخص تھا ہی نہیں۔ کچھ نے لکھا کہ یہ کتاب شیرانی کی اپنی تالیف

ہے اورانھوں نے یہ فرضی نام رکھ لیا ہے۔ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی وادبی خدمات''،جلد اول، صفحہ ۵۲ پراس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے ان تمام حالات کا مقابلہ کیا اور انگریزی پریس کی زہرافشانی کے بعد ایک مختصر کتاب اس کتاب کے تعارف کے طور پر لکھی جس سے دنیا کو بھی یہ اندازہ ہو گیا کہ محمود شیرانی دنیا میں کسی سے ڈرنے والے نہیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب دنیا نے حافظ محمود شیرانی کو جانا۔۱۹۱۳ء میں وہ انگلستان سے واپس آئے۔ارادہ تھا کہ واپس انگلستان چلے جائیں گے لیکن جنگ عظیم اول رکاوٹ بن گئی۔

حافظ محمود شیرانی تحقیق کے میدان کے سرخیل تھے۔وہ جس موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے،اس کی تہ تک پہنچتے تھے۔ان کا زیادہ تر وقت تعلیم و تعلم،تحقیق اور مطالعہءکتب کے علاوہ تصنیف و تالیف میں صرف ہوتا تھا۔ان کی زندگی کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ علم وادب کی خدمت کرنے کے لیے دنیا میں آئے ہیں۔

تحقیقی کام میں حافظ محمود شیرانی کی ایک خصوصیت اصول معروضیت (objectivity) کی پابندی ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اردو میں معروضیت روشناس کرانے کا سہرا بھی حافظ شیرانی کے سر ہے۔ان کی تحقیق شخصی پسند و ناپسند سے مبرا ہے۔

حافظ شیرانی ایک زمانے تک اورینٹل کالج میگزین میں مختلف موضوعات پر تحقیقی مضامین لکھتے رہے۔ان کی مشہور تحقیقی تصانیف درج ذیل ہیں:

ا) تنقید شعرُ العجم

ب) فردوسی پر چار مقالے

ج) خالق باری

د) پرتھی راج راسا

ر) تنقید آبِ حیات

حافظ محمود شیرانی کے کام کرنے کے طریقہ کار پر شیخ عبد القادر اپنے مضمون ''حافظ محمود شیرانی مرحوم''میں لکھتے ہیں:

> ''گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کے بعد کا وقت۔۔۔وہ ایک ہلکا سا بنیان پہنے ہوئے تھے اور کمر کے گرد صرف ایک چھوٹا سا تہبند باندھے بیٹھے تھے۔ پنکھا سر دستی نہ بجلی کا، نہ گرمی سے بچنے کی فکر نہ پروا، کتابیں اور وہ گرد و پیش فرامین اور سکے، یہ پروفیسر محبت کے لحاظ سے مغربی پروفیسروں سے زیادہ جفاکش اور آسائش اور ماند و بود میں کسی غریب مسجد کے ملاّ سے زیادہ سادہ تھا۔''(اورینٹل کالج میگزین، جلد ۲۳، عدد ۲، ص ۷)

ان کا اصل کارنامہ ''پنجاب میں اردو'' ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین اپنے تحقیقی مقالے ''اردو میں ادبی تحقیق۔آزادی سے پہلے'' میں حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''ان کی سب سے مشہور تصنیف ''پنجاب میں اردو'' کی اہمیت لسانی نظریے کے لیے زیادہ ہے، ادبی تحقیق کے لیے کم سے کم ہے۔اردو تحقیق میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ امیر خسرو کو دو تصانیف سے بے دخل کرنا ہے۔مفت کرم داشتن کے بمصداق قصہ چہار درویش کو امیر خسرو کی تصنیف قرار دیا جاتا تھا۔شیرانی نے رسالہ کارواں (۱۹۳۳ء) میں مضمون لکھ کر شافی طریقے پر ثابت کر دیا کہ یہ قصہ خسرو سے بہت بعد کا ہے۔(۵)

اس حوالے سے مالک رام نے اپنے مقالے ''اردو میں تحقیق'' میں لکھا ہے:

''شیرانی بڑے بت شکن تھے۔انھوں نے متعدد ان نظریوں کی غلطی مسکت دلائل سے ثابت کی جو صدیوں سے مسلم کلیوں کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔مثلاً (۱) فردوسی نے شاہنامہ سلطان محمود غزنوی کی فرمائش پر لکھا تھا (۲) فردوسی نے سلطان کی ہجو لکھی (۳) خالق باری امیر خسرو کی تصنیف ہے (۴) پرتھوی راج راسا محمود غوری کے عہد میں کسی شاعر چاند بردے نے تصنیف کیا (۵) دیوان معینی حضرت معین الدین چشتی کا کلام ہے (۶) شاہنامے کے علاوہ فردوسی نے یوسف زلیخا نام کی نظم بھی لکھی تھی۔''(۶)

ایک عرصے تک ''خالق باری'' کو امیر خسرو کی تصنیف شمار کیا جاتا رہا ہے۔ایسا کرنے میں بڑے بڑے محقق شامل رہے ہیں۔حافظ محمود شیرانی نے بڑی جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دلائل سے ثابت کیا کہ یہ امیر خسرو کی تخلیق نہیں بلکہ عہدِ جہانگیر کے کسی ضیاء الدین خسرو کی تصنیف ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

''خالق باری کے لیے انھوں نے ثابت کیا کہ امیر خسرو کی تصنیف نہیں بلکہ عہد جہانگیر کے کسی ضیاء الدین خسرو کی ہے۔ابھی یہ پوری طرح متحقق نہیں لیکن ان کے اس دعوے کو ماننے کو جی چاہتا ہے کہ یہ عامیانہ لغت خسرو کی تخلیق نہیں۔''(۷)

جب کوئی نظریہ کسی لمبے عرصے تک لوگوں میں تسلیم کیا جاتا رہا ہو تو یہ مذہبی عقیدے کی طرح عزیز بن جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو گردن زدنی قرار دے دیا جاتا ہے۔شیرانی خوب جانتے تھے کہ وہ اتنے سارے تسلیم شدہ مسئلوں میں اختلافی رائے دے کر کس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ رہے ہیں لیکن انھوں نے اندرونی اور بیرونی شہادتوں کی بنا پر ان سب نظریوں کی تغلیط کی۔یہ کچھ آسان کام نہیں تھا۔(۸)

شیرانی کی مشکل پسندی کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ انگریزی کا علم نہ رکھنے کے باوجود انگلستان بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ ''قصہ چہار درویش'' کو خسرو کی تصنیف قرار دیے جانے کے بارے میں شیرانی تصنیف کی اندرونی شہادتوں کی بنا پر اس کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ہم اصل قصہ چہار درویش کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں متعدد ایسے وجوہ اور قرائن پاتے ہیں جو ایک طرف امیر خسرو سے اس کے تعلق کی تردید اور دوسری طرف اس کے جدید الاصل ہونے کی تائید کرتے ہیں۔(۹)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری، شیرانی کے تجزیے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ متن کا مواد یہ ثابت کرتا ہے کہ خسرو کے عہد کا انسان ان اشیا سے واقف بھی نہ ہوسکتا تھا۔ محمود شیرانی نے اس سلسلے میں مفصل دلائل دیے ہیں۔ اس داستان میں ایسے اشعار بھی ہیں، جن کے شعرا کا زمانہ خسرو کے بعد کا ہے۔ محمود شیرانی نے بعض ایسی شہادتیں فراہم کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر خسرو یا ان کے عہد کا کوئی دوسرا انسان ان باتوں سے ہرگز واقف نہ تھا۔ مثلاً داستان میں ایک مقام پر خواجہ سگ پرست اپنے محل کی چھت پر بیٹھا ہوا دوربین سے دیکھ رہا ہے۔ اب دوربین سترھویں صدی کی ایجاد ہے، خسرو کے عہد سے اس کا کیا تعلق بن سکتا ہے؟ اس طرح سے کتاب میں بعض مقامات پر فرنگیوں کے ساتھ کثرت سے ارتباط واختلاط کے تعلقات دکھائے گئے ہیں۔ امیر خسرو کے زمانے میں فرنگیوں کے ساتھ اس نوعیت کے تعلقات تاریخی طور پر غلط ہیں۔ لہٰذا شیرانی نے اس کتاب کو جدید العہد داستان قرار دیا ہے۔(۱۰)

حافظ محمود شیرانی نے قدرت اللہ قاسم کے ضخیم تذکرے ''مجموعہ نغز'' کو جس حسن خوبی سے ترتیب دیا اور اس پر جو عالمانہ مقدمہ لکھا وہ بھی ان کے تحقیقی کارنامے سے کم نہیں ہے۔ اس کی ترتیب میں حافظ شیرانی نے بڑی محنت شاقہ سے کام لیا اور اسے جامعہ پنجاب سے شائع کیا گیا۔ اس تذکرے کی ترتیب کو سراہتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال نے شیرانی کے بارے میں لکھا:

> ''ہندوستان میں اس سال کی قابل ذکر، بلکہ قابلِ فخر اشاعت میں سے حکیم میر قدرت اللہ قاسم کی تصنیف 'مجموعہ نغز' ہے۔ اگرچہ ظاہری صفات میں کتابت، طباعت، کاغذ اور جِلد کی دیدہ زیبی کے لحاظ سے مجموعہ نغز ہماری ستائش کی حق دار ہے لیکن جس چیز نے اس کو نغز تر بنا دیا، وہ اس کے فاضل مرتب حافظ محمود خاں شیرانی کی دقتِ تحقیق ہے۔ مجموعہ نغز کی ترتیب وتصحیح میں انھوں نے اسی جاں فشانی اور دقتِ نظر سے کام لیا جس کے لیے وہ مشہور ہیں۔'' (کارواں، دسمبر ۱۹۳۳ء)

ہماری تہذیب میں بزرگوں کی ہر بات کو ''چشمِ عقیدت کا سرمہ'' کا درجہ حاصل ہے جبکہ تحقیق کی بنیاد ہی شک پر ہے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد نے اردو میں تنقید کو 'نقطہ موہوم' سے تعبیر کیا تھا۔ اس میں کسی حد

تک مبالغہ بھی ہوسکتا ہے لیکن یہ مثال اردو تنقید سے زیادہ اُردو تحقیق پر زیادہ صادق آتی ہے۔اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیں 'تنقیدِ شعرُ العجم' میں حافظ محمود شیرانی کی یہ رائے:

''خطائے بزرگاں گرفتن خطاست، ہمارے پرانے معتقدات سے ہے لیکن افسوس ہے کہ انھی غلط اصولوں کی پیروی کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری تاریخیں رطب و یابس، غث وسمین اور دروغ وراست کا مجموعہ بن رہی ہیں۔ ہماری جرح وتعدیل کے پرانے ہتھیار پڑے پڑے زنگ آلود ہو گئے۔'' (ص۔٦٦)

حافظ محمود شیرانی ''تنقیدِ شعرُ العجم'' کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

''بعض موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ علامہ شبلی کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں۔ بعد میں ایسا واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے پہلے واقعے کی تردید ہوجاتی ہے اور ناظر اسی شش و پنج میں رہ جاتا ہے کہ ان متضاد بیانات میں سے کس بیان پر اعتماد کرے۔'' (١١)

حافظ محمود شیرانی نے اپنی تحقیق کی بدولت نام کمایا۔انھوں نے اندازوں اور مفروضوں پر نہیں بلکہ شواہد پر تحقیق کی بنیاد رکھی۔انھوں نے تحقیق کے راستے پر چلنے سے پہلے مختلف علوم پر دسترس حاصل کی اور پھر شواہد کی بنیاد پر اور ٹھوس دلائل کی مدد سے بڑے بڑے نامی گرامی اور نامور محققین کی تحقیق کو جھٹلانے سے بھی گریز نہیں کیا۔اغلاط کی نشاندہی میں حافظ شیرانی کسی جھجک کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔

مختلف کتابوں پر تحقیقی اور تنقیدی جائزے کے دوران مرعوبیت نام کو بھی نہیں تھی۔ڈاکٹر انور سدید کے مطابق ''حافظ محمود شیرانی تحقیقی ژرف نگاہی اور بصیرت کی اعلیٰ ترین مثال ہیں۔۔۔حافظ صاحب نے تحقیق میں صحت وصداقت کی روایت پیدا کی۔ان کے نتائج سے بہت کم اختلاف کیا گیا چنانچہ انھیں اردو کا سب سے بڑا محقق اور ایک دبستانِ تحقیق کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔'' (١٢)

حافظ شیرانی نے تحقیق کے فن میں وہ خدمات سرانجام دی ہیں جو دوسروں کے لیے انتہائی مشکل تھیں۔اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے تاریخ کو درست کیا،تو کچھ غلط نہ ہوگا کیوں کہ حافظ شیرانی سے پہلے تاریخ افسانوی باتوں سے بھری پڑی تھی اور کوئی بھی محقق اس لیے سچ سے کام لے کر حقائق سے پردہ نہیں اٹھاتا تھا کہ اس پردے کے پیچھے بڑے بڑے پردہ نشینوں کے نام تھے۔حافظ شیرانی میں یہ جرات مندی اور کھرا پن اس لیے بھی تھا کیوں کہ انھوں نے مشرقی اور مغربی تعلیم دونوں سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ملاحظہ فرمائیں اس سلسلے میں رشید حسن خان کی یہ رائے:

''شیرانی صاحب نے قدیم مشرقی اندازِ تعلیم اور جدید مغربی اندازِ نظر، دونوں سے فیض پایا تھا۔مزاجاً ان کو تحقیق سے مکمل مناسبت تھی اور ان کے یہاں وہ منطقی اندازِ نظر موجود تھا جس

کے بغیر، اندازِ گفتگو میں صحت اور استخراج نتائج کا سلیقہ آ ہی نہیں سکتا۔ زودِ یقینی، آسان پسندی اور کم نظری سے انھیں گویا علاقہ نہیں تھا، نہ پرستاری وہم سے سروکار تھا۔'' (۱۳)

حافظ محمود شیرانی، حقائق کی جستجو کے سفر میں جس مقام پر معروضی انداز سے محروم ہوتے دکھائی دیتے ہیں، کھلے لفظوں میں اس کا علان کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دربارِ محمودی سے فردوسی کی محرومی کو وہ تسلیم کرتے ہیں لیکن اس محرومی کے جو اسباب مختلف تذکرہ نویسوں اور مورخین نے لکھے ہیں، انھیں حافظ شیرانی صرف معروضیت سے محرومی کے سبب قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں:

''بعض وجوہ کی بنا پر، جن کی اصلیت سے ہم ناواقف ہیں، سلطان ہمارے شاعر کے ساتھ بے التفاتی کا سلوک روا رکھتا ہے اور اس انعام و اکرام سے، جس کی شاہنامہ کے اختتام پر سلطان سے اس کو امید تھی، محروم رکھا جاتا ہے۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ کن اسباب کے ماتحت سلطان اس سے ناراض ہوا۔'' (۱۴)

حافظ شیرانی کی تحقیق کے مختلف زاویوں کو ہمارے سامنے لانے میں ڈاکٹر تنویر احمد علوی کا وہ مضمون خاص اہمیت کا حامل ہے جو انھوں نے پٹنہ میں منعقدہ شیرانی سیمینار (۳۰۔۳۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء) میں پڑھا۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے لکھا:

'''' شیرانی مرحوم نے اردو تحقیق کو اپنے اوپر اعتماد کرنا سکھایا اور وہ نظر عطا کی جو ماخذ کی جستجو، درجہ بندی اور معیار گری میں کام آ سکے۔ انھوں نے اپنے علمی دائروں کا تعین نہیں کیا لیکن تحقیق کے نہایت اہم موضوعات پر ایسے اعلیٰ معیار، ناقدانہ دیدہ وری اور علمی ژرف نگاہی کے ساتھ گفتگو کی جس سے تحقیقی طریق کار کے تعین اور حقائق کے معروضی مطالعہ میں غیر معمولی مدد ملتی ہے۔ ان ضوابط کو مختصراً ان الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے:

ا) قدیم ماخذ اور معاصر شہادتوں کی جستجو
ب) متنی حقائق کا غائر مطالعہ اور استخراجی نتائج تک پہنچنے کی کوشش
ج) تاریخ و ادب میں تقابلی حقیقتوں کا تجسس
د) تقابلی تحقیق کی روشنی میں ادب کا لسانیاتی تجزیہ
ھ) مصنف کے ہم عہد افکار و عقائد کی تفہیم
و) لغات و قواعد سے علمی استناد

ز) تحقیقی سطح پر ترتیب وتصحیح متن

ح) ادب کے مطالعے میں دوسرے معاصر علوم اور فنی روایتوں سے استفادہ

جس محقق کی تحریروں سے ان تحقیقی ضوابط کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آئندہ انھی اصولوں کی تحقیق کا معیار اور تحقیقی تنقید کی اساس قرار دیا جائے وہ شیرانی مرحوم ہیں جن کو بجا طور پر اردو میں تحقیق کا معلم اول کہا گیا ہے۔''(۱۵)

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے حافظ محمود شیرانی کے تحقیقی کام کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے:

ا) قدیم اردو اور اس کے مختلف دبستان

ب) تاریخ ادبیات اردو (تنقید آب حیات ودیوان ذوق)

ج) ایران میں فارسی زبان وادب کی تاریخ (اس بارے میں شیرانی صاحب کا کام تین اہم موضوعات پر مشتمل ہے، فارسی شاعری کی قدامت، تنقید شعر العجم، فردوسی کا خصوصی مطالعہ)

د) برعظیم میں فارسی زبان وادب کی تاریخ

بلاشبہ حافظ محمود شیرانی کا کام اور نام اردو تحقیق میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ آج پاک وہند کی یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق کی جو عمارت کھڑی ہے اس کی بنیادوں میں حافظ محمود شیرانی کی عرق ریزی اور جاں فشانی شامل ہے۔ اگر وہ تحقیق کو معروضی اصولوں اور حق وصداقت کے سانچے میں پرکھنے کی روایت نہ ڈالتے تو آج ہماری تحقیق بھی ''خطائے بزرگاں گرفتن خطاست'' سے آگے نہ بڑھ سکتی تھی۔ پھر تحقیق کے میدان میں نہ تو رشید حسن خان کہیں نظر آتے اور نہ قاضی عبدالودود ہی ملتے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) رشید حسن خان ''تدوین اور تحقیق کے رُجحانات''(مضمون)،مشمولہ''اُردو میں اصول تحقیق''، جلد اول،مرتبہ ڈاکٹر،ایم سلطانہ بخش،اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،طبع چہارم ۲۰۰۱ص ۲۸۰

(۲) مالک رام،ڈاکٹر،''اُردو میں تحقیق'' (مضمون)،مشمولہ''اُردو میں اصول تحقیق''(انتخابِ مقالات)،جلد دوم، مرتبہ ڈاکٹر،ایم سلطانہ بخش اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،طبع چہارم ۲۰۰۱ء،ص ۸۰

(۳) ایضاً

(۴) اویس احمد ادیب،''آج کل''(ماہنامہ)دہلی: یکم فروری،۱۹۴۷ء

(۵) گیان چند،جین،ڈاکٹر''اُردو کی ادبی تحقیق آزادی سے پہلے ''(مضمون)،مشمولہ''اُردو میں اصول تحقیق'' (انتخابِ مقالات)، جلد دوم،مرتبہ ڈاکٹر ، ایم سلطانہ بخش اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،طبع چہارم ۲۰۰۱ء ص ۱۷۴

(۶) مالک رام،ڈاکٹر،''اُردو میں تحقیق ''(مضمون)،مشمولہ''اُردو میں اصول تحقیق''(انتخابِ مقالات)،جلد دوم، مرتبہ ڈاکٹر،ایم سلطانہ بخش اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،طبع چہارم ۲۰۰۱ء،ص ۸۰

(۷) گیان چند،جین،ڈاکٹر''اُردو کی ادبی تحقیق آزادی سے پہلے ''(مضمون)،مشمولہ''اُردو میں اصول تحقیق''(انتخابِ مقالات)، جلد دوم،مرتبہ ڈاکٹر ، ایم سلطانہ بخش اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،طبع چہارم ۲۰۰۱ء ص ۱۷۴

(۸) مالک رام،ڈاکٹر،''اُردو میں تحقیق ''(مضمون)،مشمولہ''اُردو میں اصول تحقیق''(انتخابِ مقالات)،جلد دوم، مرتبہ ڈاکٹر،ایم سلطانہ بخش اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،طبع چہارم ۲۰۰۱ء،ص ۸۰

(۹) مقالات شیرانی،ص ۳۱

(۱۰) تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،''ادبی تحقیق کے اصول''،اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۲ء،ص ۵۲۔۱۵۱

(۱۱) محمود خاں،شیرانی،''تنقیدِ شعر العجم''،ص ۶۲۔۶۱

(۱۲) انور سدید،ڈاکٹر۔''اُردو ادب کی مختصر تاریخ''،لاہور: عزیز بک ڈپو،۱۹۹۳ء،ص ۳۸۶

(۱۳) رشید حسن خان،'' ادبی تحقیق--مسائل اور تجزیہ''،علی گڑھ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۷۸ء،ص ۱۱۰

(۱۴) مقالات شیرانی،ص ۱۴۰۔۱۳۹